ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

منشیان فورٹ ولیم کالج کا شعری مزاج

Poetic Inclination of Munshis of Fort William College

محمد لطیف

اسکالر پی ایچ۔ڈی اُردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

ڈاکٹر ظفر حسین ظفر

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، راولاکوٹ، آزاد کشمیر

Abstract

The "Munshis" of Fort William College of Calcutta have a remarkable place in the tradition of Urdu Prose but very few people know about their poetic works and stature, therefore, their poetry, may be said the lost part of our literary history. It is very important to study Mir Sher Ali Afsos, Mirza Jaan Tapish, Mirza Ali Lutf, Haider Bakhsh Haidery, Mazhar Ali Khan Villa and Mirza Kazim Ali Jawan among all the "Munshis" because they are the most prominent poets. These six (6) poets have different backgrounds but have many similarities in their lives, personalities and above all in their poetic inclination i.e. outrospection. In 19th century, the Urdu world split into two schools. Dehli School, which represents introspection, the followers of this school imbibe profoundity, empathy, spiritualism, mysticism and sublimity of thought. On the other hand, Luckhnow School represents outrospection and its followers pay heed to outward beauty and physical features of the woman. The farthest extent of their imagination was to highlight the dress, ornaments and appearance of their beloved. They also employed flowery language, conceit and aphorism to adorn their poetry. After analyzing the poetry of "Munshis" of Fort William, we conclude that they have demonstrated outrospective inclination in their poetry like most of Lackhnawi poets.

Keywords: Munshis, Fort William College, Dehli School, Luckhnow School, introspection, outrospection, aphorism, conceit, poetic inclination.

کلیدی الفاظ: منشیان، فورٹ ولیم کالج، کلام، شعری مزاج، رجحان، دبستانِ دہلی، دبستانِ لکھنو، مماثلت، رعایتِ لفظی، داخلیت، خارجیت۔

فورٹ ولیم کے منشیوں کی اُردو نثر کی ادبی تاریخ میں ایک مسلمہ حیثیت ہے مگر اُن کی شاعرانہ حیثیتوں کے ذکر سے جدید ادبی تاریخیں یا تو بالکل خالی ہیں یا پھر معمولی اور سرسری تذکروں سے آگے نہیں بڑھتیں۔اِن حضرات کی شاعری اور شخصیت کے متعلق زیادہ تر معلومات معاصر ادبی تذکروں اور قدیم بیاضوں سے حاصل ہوتی ہیں۔ یہ معلوماتی ٹکڑے بھی مفصل نہیں ہیں بلکہ مختصر ہیں اور ان میں بے حد مماثلت بھی پائی جاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تذکرے ایک ہی جیسے نکات کا بار بار اعادہ کرتے ہیں۔

مصنفین فورٹ ولیم کی شاعری کی اہمیت کی کئی وجوہ ہیں۔ پہلی یہ کہ کمیت اور مقدار کے لحاظ سے اِن لوگوں کا کلام اچھا خاصا ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاص طور پر اِن شعرا کا زمانی دوراِن کی شاعری کی اہمیت کو بڑھا دیتا ہے۔ کیوں کہ اس دور کی ہر تحریر ہمارے ادب کی تاریخ کا اہم حصّہ ہے۔ دوسرے یہ کہ بنگال میں اردو کی ادبی اور لسانی تاریخ نامکمل ہے۔اس لیے بنگال میں اردو ادب کے ارتقا کا جائزہ لینے کے لیے فورٹ ولیم کے مصنفین کی شاعری کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ تیسرے یہ کہ احباب فورٹ ولیم کی شاعری ہماری مجموعی ادبی تاریخ کا بھی گم شدہ باب ہے۔ جس کی بازیافت بہت ضروری ہے۔ کیوں کہ

> "ادب کی تاریخ ایک ایسی اکائی ہے جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ خود جدید ادب کو سمجھنے کے لیے قدیم ادب کا سمجھنا ضروری ہے۔" (1)

لہٰذا اس اکائی کی تکمیل کے لیے اس کی تمام کڑیاں اپنی اپنی جگہ پر اہمیت کی حاسل ہیں۔اس ضمن میں فورٹ ولیم کالج کے متوسلین میں سے میر شیر علی افسوسؔ، مرزا کاظم علی جوانؔ، مرزا علی لطفؔ، مظہر علی خاں ولاؔ، مرزا اسماعیل جان طپشؔ اور حیدر بخش حیدری جیسے ارشد شعرا کا مطالعہ ازبس ضروری ہے کہ یہی چھ احباب فورٹ ولیم کالج کے مصنفین میں سے ممتاز اور نمایاں شاعرانہ حیثیت کے مالک بھی تھے۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

یہ تمام شعرانہ توکسی الگ دبستان خیال کے حامل تھے اور نہ ہی شعوری طور پر کسی نئے ادبی نظریے کو فروغ دینے والی کسی انجمن کے متعلقین، نہ ہی یہ لوگ زبان وادب میں کسی خاص تنقیدی رویے کے ترجمان یا موید بلکہ یہ سب افراد، ہندوستان میں اردو شاعری کے کلاسیکی دور کے بہت سے شعرا میں سے چند ایسے شاعر تھے جو ایک غیر ملکی قوم کی طرف سے قائم کردہ ایک ایسے ادارے میں، جو نووارد غیر ملکیوں کو دیسی زبان سکھانے کے لیے بنایا گیا تھا، اتفاقاً اکٹھے ہو گئے تھے۔ اِن سب کا بنیادی فریضہ نو آمد اور نوجوان انگریز افسران کی لسانی تربیت اور اُن کے لیے نصاب کی تشکیل تھا جس کے لیے انھیں ایک معقول مشاہرہ بھی عطا کیا جاتا تھا۔ گویا یہ سب روزی رزق کی تلاش میں فورٹ ولیم سے وابستہ ہوئے تھے، ان کا نہ تو ماضی سانجھا تھا اور نہ مستقبل مشترکہ لیکن آپس میں عزت و احترام اور توقیر و اکرام کا رشتہ البتہ موجود تھا۔ مختلف پس منظر رکھنے اور الگ الگ تربیت گاہوں کا فیض یافتہ ہونے کی وجہ سے اِن شعرا کے شعری مزاج میں مماثلتیں تلاش کرنا ایک مشکل امر ہونا چاہیے لیکن اِن شعرا کے حالات زندگی پر نظر ڈالنے سے ان کے کلام اور شخصی حالات میں بہت سی مماثلتیں اور مشابہتیں تلاش کی جاسکتی ہیں مثلاً اُن احباب کی زندگیوں میں ہمیں جو پہلا اشتراک نظر آتا ہے وہ ان کے جنم بھوم کا دہلی ہونا ہے۔ یہاں ترتیب سے اِن سب کے یعنی فورٹ ولیم کالج کے نمائندہ چھ شعرا کے ابتدائی حالات کے حوالے پیش کیے جاتے ہیں:

(1)میر شیر علی افسوسؔ:

ڈاکٹر جمیل جالبی، افسوسؔ کے بارے میں مرزا علی لطفؔ کے تذکرے کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شیر علی جعفری، افسوسؔ، سید علی مظفر خاں کے بیٹے اور میر غلام مصطفیٰ خاں کے پوتے تھے۔ جن کے جدامجد سید بدرالدین "خاف" کے علاقے سے ہندوستان آئے اور نارنول کو نیا وطن بنا کر وہیں کے ہو رہے۔ افسوسؔ کے دادا نے جب دیکھا کہ یہاں ذرائع معاش بند ہو گئے ہیں تو اپنے دونوں بیٹوں: علی مظفر خاں اور غلام علی خان کے ساتھ عہد محمد شاہ(1719ء۔1748ء) میں شاہ جہان آباد آکر عمدۃ الملک نواب امیر خاں انجام سے منسلک ہو گئے اور داروغہ توپ خانہ کے منصب پر فائز ہوئے۔ یہیں شیر علی افسوسؔ پیدا ہوئے۔"(2)

(2)حیدر بخش حیدریؔ:

تاریخ وادب اردو کے مصنف حیدری کے حالات میں ڈاکٹر عبادت بریلوی کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

"سید حیدر بخش حیدریؔ جن کا تخلص حیدریؔ تھا، شاہ جہاں آباد کے رہنے والے تھے۔ "گلدستہ حیدریؔ" کے دیباچے میں حیدریؔ نے خود کو "سید حیدر بخش حیدریؔ متخلص بہ حیدری شاہ جہاں آبادی" لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ جب اُن کے والد سید ابوالحسن نے دلّی چھوڑی اور لالہ سکھ دیو رائے کی ہمراہی قبول کر کے بنارس آئے تو اُس وقت وہ نہایت خورد سال تھے۔" (3)

(3)مظہر علی خاں ولاؔ:

جالبی، بنی نرائن جہاں کے تذکرے دیوان جہاں کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ:

"مظہر علی خاں (وفات 1814ء) جن کا تخلص ولاؔ اور عرفیت لطف علی تھی۔ فارسی کے مشہور شاعر سلیمان قلی خاں ودادؔ کے بیٹے اور دلی کے رہنے والے تھے۔"(4)

(4)کاظم علی جوانؔ:

جوانؔ کے حالات زندگی کے بارے میں تاریخ ادب اردو کے مصنف تذکرہ ریاض الفصحا کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

"کاظم علی جوان ؔجن کا نام حسن علی خاں اور عرفیت مرزا کاظم علی اور جن کی وفات 3 جولائی 1814ء کو کلکتہ میں ہوئی۔ دہلی کے باشندے تھے۔ جب دلّی اُجڑی اور وہاں کے حالات بگڑے تو کاظم علی بھی دلّی چھوڑ کر فیض آباد آگئے۔"(5)

(5) مرزا علی لطف ؔ:

ڈاکٹر ثمینہ شوکت اپنی کتاب "حیاتِ لطف" میں لکھتی ہیں:

"لطف ؔکی ولادت دہلی میں ہوئی تھی۔ اُن کی عمر کا ابتدائی زمانہ بھی یہیں بسر ہوا اور یہیں اُن کی تعلیم و تربیت بھی ہوئی تھی۔" (6)

(6) مرزا اسماعیل جان طپش ؔ:

پروفیسر یوسف تقی، غزلیات طپش کے دیباچے میں لکھتے ہیں:

"مرزا جان طپش ؔکا تعلق اگرچہ دہلی سے تھا لیکن 16 سال کی عمر میں جو دہلی سے نکلے تو پھر واپس لوٹنا نصیب نہ ہوا"۔ (7)

اسی کے ساتھ دوسری قدر مشترک یہ بھی ہے کہ جب دلی اُجڑی تو یہ سب بھی دلّی چھوڑ کر مہاجر ہو گئے۔ صرف مرزا جان طپش ؔواحد آدمی تھے جنھوں نے جہاں دار شاہ کی رفاقت کی خاطر دلّی چھوڑی۔ باقی تمام لوگوں نے دلّی میں روزی، روزگار کا آسرا ختم ہونے پر دلّی کو چھوڑ کر مہاجرت کی راہ اختیار کی تھی۔

تیسری اہم قدر مشترک قیام لکھنو ہے یعنی ان تمام احباب فورٹ ولیم کا حیدر بخش حیدری ؔکے سوا لکھنو میں کچھ عرصے کے لیے رہنا ثابت ہے۔ جیسا کہ

"شجاع الدولہ کی وفات کے بعد آصف الدولہ جانشین ہوئے تو انھوں نے اپنا دار الحکومت لکھنو مقرر کیا۔ اسی زمانے میں افسوس ؔسالار جنگ کے بیٹے نواب نوازش علی خاں کے متوسل ہو گئے اور کم و بیش دس بارہ سال 1199ھ تک ان سے وابستہ رہے۔" (8)

حیدر بخش حیدری ؔجیسا کہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ لکھنو کی بجائے بنارس چلے گئے اور لڑکپن اور جوانی کی منزلیں وہیں طے کیں۔ مظہر علی خاں ولاؔ:

"ایک عرصے تک شاہزادہ جہاں دار شاہ عرف مرزا جواں بخت کی سرکار سے وابستہ رہے اور انھیں کے ساتھ لکھنو آئے۔ جب مرزا جواں بخت بنارس چلے گئے تو وہ لکھنو ہی میں رہ گئے۔" (9)

تاریخ ادب اردو کے مصنف "تذکرہ گلزار ابراہیم" کے حوالے سے کاظم علی جوان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"الحال 1196 ہجری ہے۔ کاظم علی جوان لکھنو میں رہتے ہیں۔" (10)

مرزا علی لطف ؔکے احوال بھی تقریباً ایسے ہی ہیں:

"جب دہلی کے حالات بگڑے تو لطف کے والد لکھنو چلے آئے جہاں صفدر جنگ کے پوتے نواب آصف الدولہ مسند نشین تھے۔۔۔۔ لطف ؔبھی اپنے والد کے ہمراہ دہلی سے لکھنو آ گئے"۔ (11)

"دِلّی اُجڑی تو طپش ؔ مرزا جواں بخت جہاں دار شاہ کے ساتھ لکھنو چلے آئے۔"(12)

شعری مزاج کو اگر زبانوں کے تاریخی تناظر میں دیکھا جائے خصوصاً یورپی زبانوں کے تو کلاسیکی اور رومانی انداز شاعری سامنے آتے ہیں لیکن یہاں ان دونوں کو اس لیے زیر بحث نہیں لایا جا سکتا کہ زیر بحث تمام شعرا شدت سے کلاسیکی طرز شاعری کے پیروکار ہیں اور اسے بھی ان لوگوں کی ایک مماثلت ہی قرار دینا چاہیے۔ ہماری کلاسیکی شاعری کی روایت بھی دو متخالف دبستانوں میں بٹی ہوئی ہے یعنی دبستان دہلی اور دبستان لکھنو۔ یہ بات درست ہے کہ جب فورٹ ولیم کی بنیاد

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

رکھی گئی تو ابھی تک دہلی اور لکھنو آمنے سامنے نہیں آئے تھے مگر لکھنو میں دہلی کی روایت سے گریز اور انحراف کا رویہ جنم لے چکا تھا۔ لکھنو میں ایک نئی معاشرت جنم لے رہی تھی اور

"نئی حکومت کے لیے جس طرح نیا سکہ ضروری ہوتا ہے اسی طرح اُس نئے مرکز (یعنی لکھنو) کو بھی نئی ادبی روایت کی ضرورت تھی جو اُس کی پہچان بھی ہو اور جو اُس علاقے کو ایک دوسرے علاقے کی ادبی بالادستی سے بھی چھٹکارا دلا کر مستقل لسانی مرکز کی حیثیت دلا سکے"۔ (13)

دبستان دہلی اور دبستان لکھنو کے حوالے سے ہماری زبان و ادب کی تاریخ میں طول طویل بحثیں ہوتی رہی ہیں اور ان دونوں دبستانوں کے امتیازات، اختلافات اور خصوصیات وغیرہ کا جائزہ بھی لیا جاتا رہا ہے۔ تاریخ ادب کے کچھ علما اور طالب علم ان دبستانوں کی علیحدگی کے قائل نہیں ہیں مگر آج کی دنیا میں دو سو برس پہلے کے حالات کا پورا اندازہ کر پانا ممکن نہیں، ہر دو دبستانوں کی تقسیم کو مصنوعی کہتے ہوئے یہ بھی پیش نظر رکھنا چاہیے کہ دبستان لکھنو کی مصنوعیت سے تو کسی کو بھی انکار نہیں ہے لیکن اس تقسیم نے ایک لمبے عرصے تک بہر حال ایک فرق پیدا کیے رکھا۔ آج کی دُنیائے اردو میں یقیناً دبستانوں کی تقسیم غیر مؤثر ہو چکی ہے لیکن وہ معرکہ آرائیاں ہماری تاریخ کا حصہ رہیں گی جو اس تقسیم نے پیدا کیں۔ زبان و ادب کی تاریخ کے ایک عالم نے اس پر بڑی متوازن رائے پیش کی ہے: "یہ قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اِن دو مختلف دبستانوں کی ابتدا در اصل "زبان" ہی سے ہوئی۔ میرؔ کا عمائدین لکھنو سے یہ کہنا کہ میرے کلام کی سند فقط محاورۂ اہلِ اُردو ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں یا میر انیسؔ کا بعض محاوروں کے متعلق کہہ اٹھنا کہ یہ میرے گھر کی زبان ہے حضراتِ لکھنو اس طرح نہیں فرماتے اس دعوے کے بین ثبوت ہیں۔۔۔۔۔۔ نظم و نثر میں بھی اسی طرح کے معرکے ہوتے رہے۔ میر امنؔ کی "باغ و بہار" (1217ھ) پر صاحب "فسانہ عجائب" نے تعلیاں کیں (1240ھ) فسانہ عجائب کے جواب میں صاحب سروش سخن (خواجہ فخر الدین حسین سخنؔ دہلوی) نے دہلی کی لسانی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی۔۔۔ اِن کے بعد فنِ تنقید میں بھی انھی لسانی مناظرات کا بہت عرصہ تک ذکر ہوتا رہا۔ (سب سے) پہلے تذکرہ کریم الدین (فیلن) میں اس کا ذکر آیا (1848ء)۔ 1880ء میں صاحب "آبِ حیات" نے بھی اس فرق کو ذرا وضاحت کے ساتھ لکھا۔ 1885ء میں صغیر بلگرامی نے اس کے اثر سے دہلی اور لکھنو کی زبان پر پوری دو جلدیں 900 صفحات کی لکھ ڈالیں اور اخبارات و رسائل نیز دیگر ادبی کتب میں یہ نوک جھوک چلتی ہی رہی۔ 1906ء میں منشی وجاہت حسین جھنجھانوی مالک رسالہ "اصلاح سخن" نے ایک رسالہ "اختلاف اللسان" لکھا جس میں لکھنو اور دہلی کے محاورات کا فرق دکھایا گیا۔۔۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ڈیڑھ صدی کے اس افسانہ کو اب ختم ہی سمجھنا چاہیے۔ نقل و حرکت کی آسانیاں، طباعت کی سہولتوں کے باعث ترجمہ، تالیف و تصنیف کی کثرت، مغربی مذاق کا اثر، صحافت کے نئے نئے ڈھنگ اور زندگی کی کش مکش اور 1947ء میں برصغیر کی آزادی اور اُس کا منقسم ہو جانا، ان سب باتوں نے اب تمام شعری و ادبی معیارات کو بدل دیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ دہلی اور لکھنو اسکولوں کے متعلق اب یہی کہا جا سکتا ہے کہ یہ جھگڑا (خصوصاً زبان کے معاملے میں) ایک طویل داستان تھی جو طویل رات کی سیاہی میں چمک دمک کر اور لوگوں کے دلوں کو لبھا کر ختم ہو گئی۔ اب جو کچھ رہ گئی ہے اس کی یاد ہے، جسے ادبی زبان میں اُس کی تاریخی حیثیت اور اہمیت کہیے۔
(14)

لکھنویت اور دہلویت کے باب میں سب سے اہم اصطلاحیں جس داخلیت اور خارجیت کی ہیں۔ دہلویت داخلیت اور باطن کی کیفیات کو شاعری میں بیان کرنے پر اپنے نظریہ فن کی بنیاد رکھتی ہے جب کہ لکھنویت اس کے برعکس خارجیت اور ظاہر پرستی کی ترجمان نظر آتی ہے لیکن جس طرح لکھنو اور دہلی اسکول کے درمیان امتیازات کی ایک کامل دیوار کھڑی کرنا ممکن نہیں اسی طرح داخلیت اور خارجیت کے مابین ایک کامل خط فاصل کھینچ دینا بھی ممکن نہیں، یہ دونوں الگ الگ بھی ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر نامکمل بھی۔

"شاعر ہی نہیں بلکہ ہر شخص دو دنیاؤں میں زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک وہ خارجی دنیا جو اُس کے گرد و پیش پھیلی ہوئی ہے اور دوسری وہ داخلی دنیا جو اس کی باطنی کیفیات، جذبات اور احساسات سے عبارت ہے۔ خارجی دنیا میں جو کچھ وقوع پذیر ہوتا ہے اُسے خارجی واقعات کہہ لیجیے اور داخلی دنیا میں جو کچھ پیش آتا ہے اُسے داخلی

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

واردات کا نام دے لیجیے۔۔۔۔۔۔لیکن ہماری داخلی واردات بھی کسی نہ کسی درجے میں خارجی واقعات کا رد عمل ہے۔ شاعر کی مخصوص طبع جب خارج کی جانب مائل ہو تو اگرچہ مطالعہ خارج میں اُس کی داخلی کیفیات لازماً دخیل ہوں گی۔ تاہم اس میلان کو اصطلاح میں خارجیت کہا جائے گا اور جب شاعر کی مخصوص افتادِ طبع داخلی واردات و کیفیات کی ترجمانی کی جانب مائل ہو تو اگرچہ اُس کی داخلی کیفیت لازماً کسی خارجی شے یا شخص یا واقعے سے منسلک یا اُس کا جذباتی رد عمل ہو گی۔ تاہم اس میلان کو اصطلاح میں داخلیت کہا جائے گا۔"

(15)

گویا اگر اثرات و کیفیات کا بیان شاعری میں آئے تو وہ داخلی شاعری ہو گی اور اگر منظر کشی اور قلمی تصویر کاری پر زور ہو تو خارجی شاعری کہلائے گی۔

لکھنوی معاشرہ جو سعادت خان برہان الملک کی نوابی سے وجود میں آنا شروع ہوا اور واجد علی شاہ اختر تک 134 برس اپنی بہار دکھاتا رہا اپنی بنیاد اور نہاد میں اپنے آغاز سے ہی نہ صرف خارجیت کے عناصر کی پرورش کر رہا تھا بلکہ خود کو نمایاں اور پورے ہندوستان سے الگ رکھنے اور دکھنے کا جذبہ بھی پوری شدت سے اُس کے باطن میں کارفرما نظر آتا ہے۔ سیاسی طور پر اس کا پہلا مظاہرہ اُس وقت ہوا جب سعادت خاں نے نادر شاہ کو باوجود اس کے کہ وہ دو کروڑ روپیہ بطور تاوان جنگ لے کر ایران واپس جانے پر تیار ہو چکا تھا۔ دہلی پر حملہ کرنے پر اکسایا۔ اس خاص معاملے میں بادشاہ سمیت پورا مغل دربار ایک طرف تھا جب کہ نواب سعادت خان سب سے علیحدہ رائے رکھتا تھا۔ اِسی جذبے کا مذہبی رُخ اُس وقت بروئے کار آیا جب نواب آصف الدولہ کے دور میں اہلِ لکھنو نے ہند کے مسلمانوں سے اپنا جمعہ و جماعت الگ کر لیا۔

"نواب آصف الدولہ کے زمانہ کا یہ کارنامہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ لہو ولعب میں مشغول ہونے کے ساتھ مذہب تشیع کی اشاعت میں انھوں نے دل سے کوشش کی۔ اُن کے نائب حسن رضا خاں بھی مذہبی آدمی تھے۔ وہ بھی اسی کوشش میں لگے رہتے تھے۔۔۔۔ ملا محمد علی فیض آبادی کی تحریک سے نواب حسن رضا خاں نے جمعہ و جماعت قائم کر کے سب سے پہلے مولوی سید دلدار علی نصیر آبادی کی اقتدا میں 13 رجب 1200ھ کو نماز ادا کی۔ یہ پہلا دن ہے کہ وسط ہند میں شیعوں نے اپنا جمعہ و جماعت علیحدہ کر لیے۔"

(16)

معاشی حوالے سے بھی لکھنو تمام ہندوستان میں اُس وقت کے تمام صوبوں سے اتنا زیادہ خوش حال اور آسودہ تھا کہ عیاشی وہاں نظام حیات کا لازمہ بلکہ طرز زندگی بن گیا تھا۔ زبان و ادب میں پورا ہند دہلی کا حوالہ دیتا اور دہلی کو سند تسلیم کرتا تھا۔ لکھنو والوں نے بھی ابتدائی طور پر رنگ دہلوی کی ہی پیروی کی مگر انیسویں صدی کے آغاز سے بھی پہلے وہ اپنے رنگ سخن میں دہلی والوں سے گریز اختیار کر چکے تھے۔ اگرچہ اِس معاملے نے شدت بعد میں اختیار کی۔ دہلوی شاعری میں سادگی اور باطنی سوز و ساز کا سکہ چلتا تھا اور الفاظ پر معنی کو ترجیح دی جاتی تھی۔ لکھنو نے اپنے تازہ معاشرتی مطالبات اور دہلی کی ضد میں خارجیت کو اپنایا اور لفظ کے سنوارنے اور نکھارنے پر پوری توجہ اور محنت صرف کر دی۔

"تکلف اور تصنع کو لکھنوی تہذیب و معاشرت کا مترادف سمجھا جاتا ہے۔ لکھنو کے شعر و ادب سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ شعرائے لکھنو نے اپنی تمام تر توجہ شعر کی ظاہر صورت یعنی بیان کی اصلاح میں صرف کی۔۔۔۔۔ جب جذبات نگاری کو محض ثانوی درجہ دے دیا گیا تو خارجی مضامین کے بیان کو قدرتی طور پر فروغ ہوا۔ اب تک حسن اور اس کی کیفیات، اُس کے اثرات اور کار فرمائی سے عشقیہ شاعری کی دکان کی رونق تھی۔ اب حُسن اور اُس کے لوازمات پر عمل جراحی کیا گیا۔" (17)

یعنی شاعری جسمانی سطح پر اُتر آئی اور زیورات اور بناؤ سنگھار کے لوازمات کا تذکرہ شاعری کا منتہا بن گیا۔اس کا پہلا نتیجہ یہ نکلا کہ شاعری دنیائے ظاہر کی محدود فضا میں بند ہو کر رہ گئی اور تکرار اور توارد کثرت سے شاعری میں در آیا اور اس کا دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ محبوب کے ظاہری حُسن کے خصائص کے بیان کے ساتھ ساتھ اعضائے جسمانی کا تذکرہ اور اس سے بھی آگے بڑھ کر جنسی خواہشات بلکہ معاملات کا تلذّذ شاعری کے مستقل موضوع بن گئے۔اس کی وجہ سے ذو معنی اور فحش شاعری بڑی مقدار میں وجود میں آئی اور یہی رنگ ِنشاط لکھنو کی معاشرت اور اُس سے متاثر ہونے والوں کو مرغوب بھی تھا۔

"چنانچہ لکھنو کی غزل میں سراپا نگاری کی روش اور ارضی مظاہر کو پوجنے کا رجحان عام طور پر پیدا ہوا۔"

(18)

اسی لیے وہ بزرگ شعرا جو دہلی سے آکر ہمیشہ کے لیے لکھنو میں بس گئے تھے۔اس رنگ سخن پر چیں بہ چیں ہوتے تھے۔

"میرؔ کے آخری زمانے کے لکھنو کے مزاج شاعری میں اتنی تبدیلی آچکی تھی کہ خود میرؔ کے لیے اجنبی اور ناقابل برداشت تھی۔ سوزؔ اور جراتؔ کے رنگ شاعری اس دور کے مقبول رنگ تھے۔ میرؔ نے سوزؔ سے کہا: "موقع و محل تمھاری شعر خوانی کا وہ ہے جہاں لڑکیاں جمع ہوں اور ہنڈ کلیا پکتی ہو۔"اور ایک موقع پر جراتؔ سے کہا: "تم شعر تو کہہ نہیں جانتے ہو اپنی چوماچاٹی کہہ لیا کرو"۔اُس دور کے لکھنو کی تہذیب کا یہی مزاج تھا کہ وہ ہنڈ کلیا اور چوماچاٹی کی تہذیب تھی۔" (19)

چوں کہ لکھنو کی تہذیب خارجیت سے مملو تھی اور پوست پرستی اُس کی تہذیب کی اساس بن گئی تھی۔اسی لیے خارجیت کے تمام عناصر معاشرے اور معاشرے کے وسیلے سے شاعری میں سماگئے تھے۔یہی وجہ ہے کہ لکھنو کے زیادہ تر شعرا کے ہاں شاعری کی بنیاد گہرے محسوسات پر نہیں،اس بات کی البتہ گنجائش رہتی ہے کہ کوئی کوئی شعر عارفانہ یا فلسفیانہ نکل آئے یا پھر مصحفیؔ اور آتشؔ کے کلام کی مستثنیات موجود ہیں جو قلیلؔ کالمعدوم ہی کہلائیں گی۔اگرچہ لکھنوی اثرات سے ان دونوں کا کلام بھی خالی نہیں بلکہ بعضے بعضے اشعار پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ محبوب کا سراپا بیان کرنا، زیورات اور لباس کی خوبی بیان کرنے میں تکلف سے کام لینا اور محبوب کے سراپے اور بناؤ سنگھار کے تمام متعلقات کا نشاطیہ انداز سے ذکر کرنا معاملات عشق بلکہ معاملات جنس کو پوری تجربہ کاری کے ساتھ شاعری میں بیان کرنا اعضائے جسمانی کا چٹخارے لے کر ذکر کرنا، ذاتی خواہشات یعنی بوسہ بازی کی حسرت یا ساتھ لپٹانے اور سلانے کا تذکرہ، کوٹھوں اور قحبہ خانوں کی طوائفوں کی چاہ کے معاملات کو عشق کے پردے میں بیان کرنا، معاملات عشق کو سطحی انداز اور عامیانہ پن کے ساتھ بیان کرنا، شراب کا ذکر، کیف و سرور سے ہٹ کر غیر علامتی انداز میں شاعری میں لانا وغیرہ اور ان معاملات کو بیان کرنے میں تشبیہ، استعارے اور خیال بندی میں دور دور کی کوڑیاں لانا، حسن ظاہری کی آرا ستگی کے لوازم و اجزا کے لیے نت نئے مترادفات ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانا۔یہی وہ عناصر ہیں جو خارجیت کا میلان رکھنے والی شاعری میں موجود ہوتے ہیں چاہے اُس شاعری کا تعلق لکھنو سے ہو یا کہیں اور سے لیکن اس ضمن میں بار بار دبستان لکھنو کا ذکر اس لیے آجاتا ہے کہ لکھنو کے زیادہ تر شعرا کی اکثر شاعری خارجی نوعیت کی ہے ورنہ اردو کے تقریباً تمام صاحبِ دیوان شعرا کے کلام میں داخلی اور خارجی دونوں رجحانات کے حامل اشعار کچھ نہ کچھ تعداد میں مل ہی جائیں گے لیکن ہر شاعر کی شاعری کا غالب رنگ ہی اُس کا میلان یا شعری مزاج قرار پاتا ہے۔مذکورہ تمام مباحث کو سامنے رکھ کر اگر منشیان فورٹ ولیم کے تمام کلام پر غائر نظر دوڑائی جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ شاعری خارجیت کے رجحانات سے بے حد متاثر ہے اور اپنا غالب جھکاؤ اسی جانب رکھتی ہے۔خارجیت کے جتنے بھی عناصر اس مضمون میں بیان کیے گئے ہیں اِن شعرا کے کلام میں تمام و کمال موجود ہیں۔اِن اصحاب نے دوسری کئی اصناف میں بھی طبع آزمائی کی ہے لیکن ان سب کی پسندیدہ صنف سخن غزل ہے۔یہ بات اگرچہ الگ ہے کہ نظم ہو یا غزل ان سب کا رنگ سخن یکساں ہی رہتا ہے۔ان سب کے کلام میں ایک ہی رنگ کی پابندی نظر آتی ہے جیسے ان لوگوں نے دیدہ و دانستہ شاعری میں کوئی تجربہ کرنے یا کسی نئی راہ کو اختیار کرنے سے احتراز کیا ہو۔ لمبے عرصے تک دہلی سے باہر اور دور رہنے کے باوجود احباب فورٹ ولیم کی زبان اور شاعری پر دہلوی زبان کا اثر موجود ہے۔ان شعرا کے کلام میں نہ صرف لفظیات اور محاورے دہلی کے ہیں بلکہ الفاظ کا قدیم املا بھی ویسا ہی موجود ہے جیسا دہلی میں لکھا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

جاتا تھا۔ روز مرہ بھی زیادہ تر دہلی کا ہی ہے یعنی زبان دہلی کی ہے مگر مضامین سارے لکھنو کے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ خارجیت لکھنو کے واسطے سے ایک الگ طرز شاعری بن کر انیسویں صدی کے آغاز سے پہلے ہی بہت سارے شعرا کو متاثر کر رہی تھی۔

فورٹ ولیم کے شعرا بطور خاص اس رجحان سے زیادہ متاثر نظر آتے ہیں۔ یہاں ہم مثالوں کے ساتھ احباب فورٹ ولیم کی شاعری کا باری باری جائزہ لیتے ہیں تاکہ اُن کی شاعری کے مزاج کا اندازہ صحیح طور پر کیا جاسکے اور اس بحث کو فیصلہ کن انداز میں سمیٹنے کے لیے بھی ہمیں مدد مل سکے۔ سب سے پہلے نیم صوفی و نیم رند مرزا جان طپش کے دیوان سے چند مثالیں ملاحظہ کیجیے:

بوسہ اُس کے منھ کے تل کا لے کے ،کیا نادم ہوں میں
تل برابر بات کا یاروں نے کیا چرچا کیا (20)

از بس مری زباں نہ سمجھتا تھا وہ کبھی
منھ میں زبان لے کے اُسے ہم زباں کیا (21)

کہاں ہم اور کہاں تم اور کہاں پھر یہ ہم آغوشی
خدا کے واسطے رہنے دو منھ کو کوئی دم منہ پر (22)

شبِ وصال میں کل کیا میں ہو گیا گستاخ
کہ ہاتھ جا ہی پڑا بے درنگ چھاتی پر (23)

یہ تمام اشعار بوالہوسی سے لبریز ہیں اور محبوب کے حُسن ظاہری کے بیانات سے بھی آگے بڑھ کر جنسی تلذذ کے حصول کے آئینہ دار نظر آتے ہیں۔ بہ خوف طوالت چند مثالیں درج کی ہیں ورنہ طپش ؔکا کلام ایسے رطب و یابس سے بھرا پڑا ہے، یہ بات بھی ضرور ہے کہ طپش ؔکے کلام میں بہت سے اچھے اور خیال انگیز و فکر افروز اشعار کی بھی کوئی کمی نہیں ہے۔ اب فنی حوالے سے رعایت لفظی کی دو مثالیں دیکھیے:

لحد میں خاک بھی نہ چھینکی یار نے ہم پر
ہمارے دل میں یہی رہ گیا غبار افسوس (24)

کیا جانے طپش ؔکس قدر موزوں پہ ہے عاشق
کل سایہ شمشاد میں روتا نظر آیا (25)

درج بالا دونوں اشعار میں رعایت لفظی اپنا جلوہ دکھا رہی ہے اور شاعر اپنے سامع اور قاری کو لفظی حربوں سے متاثر کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔

حیدر بخش حیدری ؔکا موجودہ دیوان کافی مختصر ہے لیکن اُس کا زیادہ تر حصہ خارجیت کے لوازم و عناصر سے ہی مملو ہے:

غنچہ گل کا ہوا دل چاک چاک

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

تو نے جب بند قبا کو وا کیا (26)

جو دے گا بوسہ تو ساتھ ہوں گا وگرنہ ہوں گا میں اُسے سے رخصت
قسم ہے اب کے ملے وہ جاناں یہی ہے اُس سے سوال اپنا (27)

اب ایک اور مثال رعایت لفظی کی:

کب عزیز ہم کو وہ رکھتا ہے شبیہہ یوسف
اس کا ہے گرم خریداروں سے بازار بہت (28)

میر شیر علی افسوس فورٹ ولیم کے سب سے پُر گو شاعر ہیں اور جتنا اُن کا دیوان ضخیم اُتنی ہی زیادہ مثالیں خارجیت پسندی کی اُن کے کلام میں موجود ہیں:

اب تو چھڑا کے ہاتھ تو اے خوش دہن گیا
پر میں بھی بوسہ لوں گا ہی جب داؤ بن گیا (29)

دل باز نہ آوے گا تو بوسے کی طلب سے
جب تک کہ وہ لاکھوں تجھے دشنام نہ دے گا (30)

یاد آیا جو ترے غسل کا عالم مجھ کو
جی مرا آج کئی مرتبہ اے جاں ڈوبا (31)

ساقیا! کل زورِ کیفیت سے میں مستانہ تھا
تھے لبوں میں اُس کے لب اور ہاتھ میں پیمانہ تھا (32)

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے درج بالا مثالوں کے علاوہ بھی سینکڑوں ایسے اشعار دیوانِ افسوس ؔمیں موجود ہیں اور یہاں جو مثالیں پیش کی گئی ہیں وہ ذرا کم فحش ہیں۔اب کلام افسوس ؔسے رعایت لفظی کی صرف دو مثالیں دیکھتے ہیں:

چمک دانتوں کی تو کیا دیکھتا ہے اپنی او غافل
کسی نے غم میں تیرے کوٹ کر ہیرے کو ہے پھانکا (33)

خدا کے واسطے اک پاؤں کا تو بوسہ دے
جو کوئی مانگے تو دیتے ہیں سر برائے خدا (34)

مرزا علی لطف فورٹ ولیم کالج کے باقاعدہ ملازم نہیں تھے مگر شیر علی افسوسؔ اور گل کرسٹ کی دوستی کے واسطے سے اُن کا فورٹ ولیم سے ایک خاص تعلق ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ نسبتاً سنجیدہ اور متین شاعر تھے۔ اسی لیے جسمانیت اور فحاشی کی مثالیں اُن کے کلام میں بہت کم دستیاب ہوتی ہیں:

اپنا تو بد گمانی سے بس کام ہو گیا
گو اور طرح اُس کی ہو چولی مسک گئی (35)

تم نے دکھلائی وہاں پیٹھ اور چوٹی کی پھبن
یاں میری چھاتی پہ ہیں کالے نے لہریں ماریاں (36)

مرزا علی لطفؔ کا دیوان بھی کافی مختصر ہے اور سارا زور فنی محاسن اور لفظ کو سجانے سنوارنے پر ہی دیا گیا ہے۔ خصوصاً رعایت لفظی، ایک مثال ملاحظہ کریں:

ہوں کشتہ حسن سبز کے میں رنگ ڈھنگ کا
لوح مزار کیجو زمرّد کے سنگ کا (37)

مظہر علی ولاؔ کا دیوان اچھا خاصا ہے اور حمد و نعت و مناقب سے بھرپور ہے لیکن خارجیت کے غالب رجحانات رکھنے والے شاعر کے لیے فحاشی سے دامن بچانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ولاؔ کے کلام میں بھی ایسے بہت سے اشعار موجود ہیں:

جو لذت ترے بوسے میں پائی پیارے
نہیں وہ مزہ دیکھا شہد و شکر کا (38)

یہ بوسہ دینے میں رُک جانا کیا غضب ہے آہ!
کہ عین خلطے میں ہے قہر، ڈھب تامل کا (39)

اب صر
ف ایک مثال رعایت لفظی کی بھی دیکھ لیتے ہیں:

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

والہ نہ فقط میں ہوں اُس مہرِ درخشاں کا
دل لے ہی گیا دم میں وہ گبرو مسلماں کا (40)

کاظم علی جوان بھی فورٹ ولیم کے نمایاں شاعر تھے مگر اُن کا کلام کم کم دستیاب ہوتا ہے۔ زیادہ تر اُن کے کلام کے نمونے تذکروں سے حاصل ہوتے ہیں مگر ان خال خال نمونوں میں بھی جنسیت اور ظاہر پرستی کی مثالیں موجود ہیں:

آئینہ رویوں سے جو ہمیں ارتباط ہے
منظور اور کچھ نہیں صاف اختلاط ہے (41)

جو بڑھایا ہاتھ میں رات کو تو کہا یہ ہنس کے کہ خوش تو ہو
مری چھاتی پہ رکھے ہاتھ جو کسے ایسی بے جگری رہی (42)

اب تک کی تمام ردّو قدح اور ارباب فورٹ ولیم کی شاعری کے نمونوں سے یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ یقیناً ان شعرا نے دیگر صنائع کو بھی شاعری میں برتا ہے مگر زیادہ تر زور رعایت لفظی پر رکھا ہے یہاں تک کہ معاملات عشق اور محبوب کے سراپے کے بیان میں بھی رعایت لفظی کو ہی شعوری طور پر بروئے کار لاتے ہیں۔ یہ عین وہی رجحان ہے جو لکھنویت کی عکاسی کرتا ہے جہاں شعر ذہنی ورزش اور مزا لینے کا ذریعہ بن گیا تھا۔ خارجیت کے محدود کینوس میں رنگ بھی اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ ساتھ ہی غیر معتدل جنس پسندی بھی اس مزاج کی حامل شاعری کا لازمی جزو بن کر سامنے آتی ہے۔ یہ بات درست ہے کہ فورٹ ولیم کے منشیوں کی شاعری میں سوزو گداز سے معمور اشعار بھی موجود ہیں۔ خصوصاً طپشؔ کے کلام میں مگر باقی تمام شعرا کے ہاں ایسے اشعار کی تعداد اتنی کم ہے کہ اُسے ناقابل ذکر ہی کہنا چاہیے۔ مرزا جان طپشؔ کے کلام میں بھی زیادہ شعر خارجیت کے ہی آئینہ دار نظر آتے ہیں اور اسی سے ہم اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ منشیان فورٹ ولیم کی تمام شاعری کا غالب رجحان اور واضح میلان اُن کا شعری مزاج خارجیت ہی متعین کرتا ہے۔

حوالہ جات

1. جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادبِ اُردو؛ جلد اوّل؛ مجلس ترقی ادب، لاہور، 2018ء، ص1
2. جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخِ ادبِ اُردو؛ جلد سوم؛ مجلس ترقیِ ادب، لاہور، 2008ء، ص452
3. ایضاً، ص464
4. ایضاً، ص512
5. ایضاً، ص524
6. ثمینہ شوکت، ڈاکٹر: حیاتِ لُطف؛ مجلسِ تحقیقاتِ اُردو، حیدر آباد دکن، 1962ء، ص6
7. طپشؔ، مرزا جان: غزلیاتِ طپشؔ؛ مرتب: پروفیسر یوسف تقی؛ دی گلوزی آرٹ پریس، کولکاتا، 2013ء، ص10-9
8. جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادبِ اُردو؛ جلد سوم؛ ص453
9. ایضاً، ص513
10. ایضاً، ص524
11. ایضاً، ص569

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.3 2023

12. طپشؔ،مرزاجان: غزلیاتِ طپشؔ؛ص14
13. فسانہ عجائب،رجب علی بیگ سرور؛مرتب: رشید حسن خاں،انجمن ترقی اردو(ہند)نئی دلی،2015ء،ص9
14. نورالحسن ہاشمی،ڈاکٹر: دہلی کا دبستان شاعری؛بک ٹاک،لاہور،1991ء،ص356
15. حفیظ صدیقی،ابوالاعجاز: کشاف تنقیدی اصطلاحات؛ادارہ فروغ قومی زبان،اسلام آباد،2018ء،ص110
16. ابواللیث صدیقی،ڈاکٹر: لکھنو کا دبستان شاعری؛غضنفر اکیڈمی،کراچی،1987ء،ص36
17. ایضاً،ص42
18. وزیر آغا: اردو شاعری کا مزاج؛ مجلسِ ترقیِ ادب،لاہور،2008ء،ص224
19. جمیل جالبی،ڈاکٹر: تاریخِ ادبِ اُردو،جلد سوم،ص40
20. طپشؔ،مرزاجان: غزلیاتِ طپشؔ؛ص84
21. ایضاً،ص93
22. ایضاً،ص154
23. ایضاً،ص153
24. ایضاً،ص160
25. ایضاً،ص89
26. حیدر بخش حیدریؔ،سید: دیوان حیدریؔ؛مرتب: عبادت بریلوی،ڈاکٹر،اردو دنیا،کراچی،1966ء،ص68
27. ایضاً،ص75
28. ایضاً،ص81
29. شیر علی افسوسؔ،میر: کلیاتِ افسوسؔ؛مرتب: ظہیر احسن،سید،ادارہ تحقیقات اُردو، پٹنہ،1961ء،ص11
30. ایضاً،ص13
31. ایضاً،ص31
32. ایضاً،32
33. ایضاً،ص26
34. ایضاً،ص3
35. علی لطفؔ،مرزا: دیوان لطفؔ،مرتب: اکبر علی بیگ،مرزا،ڈاکٹر،ادارہ شعر و حکمت،حیدر آباد،1983ء،ص91
36. ایضاً،ص78
37. ایضاً،ص58
38. ولاؔ،مظہر علی خاں: دیوان ولاؔ؛مرتب: عبادت بریلوی،ڈاکٹر،ادارہ ادب و تنقید،لاہور،1983ء،ص120
39. ایضاً،ص186
40. ایضاً،ص123
41. دیوانِ جہاں،مؤلف: بینی نرائن: مرتب: کلیم الدین احمد؛پٹنہ،1959ء،ص69
42. ایضاً،ص67